شیخ القرآن مولانا عبدالہادیؒ کی تفسیر "البرہان فی مشکلات القرآن" کی روشنی میں قصۂ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا اسلوبی و تقابلی جائزہ

A stylistic and comparative review of the story of Hazrat Moosa and Hazrat Khazir (A.S) in the light of Tafseer Al-Burhan fi Mushkilat Al-Quran of Sheikh Al-Quran Molana Abdul Hadi(R.A)

DOI:10.5281/zenodo.10449058

*Ziaulhaq
**Dr. Ishfaq Ali

Abstract

The story of Moosa (A.S) and Khazir (A.S), also known as Musa and Khizr in Islamic tradition, is a significant tale mentioned in the Quran. It revolves around the encounter between the prophet Musa (Moses) and the mysterious figure, Khazir (Khidr).In the story, Moosa (A.S) is recognized as a prophet, and he seeks to learn from someone who possesses more knowledge of divine mysteries than he does. Allah directs him to Khazir (A.S), a wise and knowledgeable man. Moosa (A.S) humbly requests to accompany Khazir (A.S) to gain wisdom from him. Throughout their journey together, Khazir performs actions that initially seem strange and unjust. He sinks a boat, kills a young boy, and repairs a wall in a town that didn't welcome them. Moosa (A.S) is puzzled and questions Khazir's (A.S) actions, as they appear to be cruel and irrational. However, each action has hidden wisdom and serves a greater purpose, known only to Khazir (A.S), who is divinely guided by Allah. These acts teach Moosa (A.S) important lessons about faith, patience, and the divine wisdom behind seemingly unfavorable events.The story of Moosa (A.S) and Khazir (A.S) highlights the idea that divine wisdom often surpasses human understanding, and there is much to learn from individuals who possess deeper insights into spiritual matters. It emphasizes the importance of humility and trust in Allah's wisdom, even when things may appear perplexing to us.

Key words: *Moosa, Khazir, Story,Mysteries, Wisdom.*

تمہید Introduction

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين صلى الله عليه و على آله وأصحابه أجمعين، أما بعد!

....

*PhD scholar, Dept. of Islamic Theology, ICU Peshawar)
**(Assistant professor, Dept. of Islamic Theology, ICU Peshawar)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کی ہدایت اور اس کو زندگی گزارنے کے طریقے بتانے کے لئے انبیاء اور رسل کا سلسلہ جاری فرمایا، اللہ تعالیٰ انسانوں میں رسول یا نبی کے طور پر اس خاص اور برگزیدہ بندے کا انتخاب کرتا رہا ہے، جو اپنے کردار و گفتار کے حوالے سے اس وقت موجود تمام انسانوں پر فائق ہوا کرتا تھا، اور ساتھ ہی اپنی طرف سے دستور حیات کے طور ایک صحیفہ یا کتاب نازل فرماتا رہا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے نبوت و رسالت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ حضرت محمد ﷺ پر آکر ختم ہوا۔ آپ ﷺ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آخری پیغمبر کے طور پر مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیم کو بھی سنت الٰہیہ کے مطابق ہدایت انسانی کے لئے ایک کتاب عطاء کی گئی ہے جسے " قرآن مجید " کے نام سے پوری دنیا جانتی ہے۔ قرآن مجید، حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے آخری آسمانی کتاب ہے جسے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اُتارا گیا ہے۔ قرآن خالص عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ مگر اُصولی ہونے کے ناطے اس کا اکثر حصہ تشریح و توضیح کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک منصب جلیلہ یہ بھی عطا فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کی توضیح بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ، [1] اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف ذکر (قرآن مجید) نازل کیا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی وضاحت کریں، اور تاکہ لوگ غور و فکر کریں۔ اور اس کی مزید تائید یہ ہے کہ احادیث کی اکثر کتب میں تفسیری روایات پر مشتمل مستقل باب موجود ہیں۔ یا جو کتابیں تفسیر بالماثور پر مشتمل ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں کتنی روایات آپ ﷺ سے منقول ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر کے حوالے سے دیکھا جائے تو امت مسلمہ نے پوری ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ سب سے پہلے اس عظیم کام کے لئے صحابہ کرام ؓ نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ انہوں نے وہ تمام روایات اپنے شاگردوں کو منتقل کر دیں جو تفسیر سے متعلق تھیں۔ چنانچہ ان کے شاگردوں میں سے بڑے بڑے مفسر پیدا ہوئے۔ جن میں مجاہد، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر قتادہ اور حسن بصری رحمھم اللہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے بعد تفسیر بالماثور میں محدثین نے حصہ لیتے ہوئے تفسیر کو ایک خاص فن کی صورت میں آگے بڑھایا۔ حتیٰ کہ تفسیر بالرائے کا دور شروع ہوا اور مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر تفسیریں لکھی گئیں۔ مثلاً: فقہی، ادبی، تاریخی، نحوی، لغوی اور کلامی اندازمیں تفاسیر وجود میں آئیں۔ اور یہ سلسلہ یوں ہی آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ عربی تفاسیر سے فارسی اور اُردو زبانوں میں تفسیریں لکھی جانے لگیں۔ برصغیر پاک وہند میں مشہور قول کے مطابق سب سے پہلے یہ کام شاہ ولی اللہؒ نے سرانجام دیا جنہوں نے " فتح الرحمان " کے نام سے ایک ترجمہ تحریر کیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے

شاہ رفیع الدینؒ نے اور پھر شاہ عبدالقادرؒ نے "موضح الرحمن" کے نام سے اُردو میں ترجمہ قرآن اور بعض حواشی تحریر کئے۔ ان حضرات سے پہلے بھی بعض اُردو حواشی و تفاسیر کا ذکر ملتا ہے مگر وہ جزئی تفاسیر ہیں جو ابھی دستیاب نہیں ہیں، لہذا ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اُردو ترجمہ کی سبقت کا سہرا مؤخر الذکر دونوں بزرگوں کے سر جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے بعد بر صغیر پاک و ہند میں اُردو زبان میں بھی تفسیر کا عمومی رواج ہو گیا۔ بڑے بڑے مفسرین پیدا ہوئے۔ یہاں بھی انہوں نے مختلف مناہج کو سامنے رکھ کر تفسیری خدمات سر انجام دی ہیں۔ مثلاً: مولانا عبدالحق دہلویؒ کی تفسیر فتح المنان معروف بتفسیر حقانی، مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن، مولانا حسین علیؒ کی تفسیر بلغة الحیران کی توضیح و تشریح "تفسیر جواہر القران"، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کی تفسیر ماجدی، مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر ترجمان القرآن، مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر معارف القرآن، مفتی احمد یار خانؒ کی تفسیر خزائن الفرقان فی تفسیر القرآن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر تفہیم القرآن اور مولانا عبدالحمید سواتیؒ کی تفسیر معالم العرفان وغیرہ۔ اور انہیں مفسرین میں سے ایک بڑی نامور اور نابغہ روزگار شخصیت حضرت مولانا عبدالہادیؒ عرف شاہ منصور باباجی کیبھی ہے۔ جو 13 ویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے شمال مغربی سرحدی صوبہ (موجودہ صوبہ خیبر پختونخواہ) میں قرآن کی تفسیر کا اس وقتبیڑا اٹھایا، جب مذہبی حوالے سے عقیدۂ توحید بہت سارے تاویلات اور مفاسد کا شکار ہو کر اصل اور خالص صورت کھو چکا تھا بدعات و رسومات کو عبادت کا درجہ دیا گیا تھا۔ غرض یہاں ایک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس ماحول میں درسِ قرآن کا بیڑا اٹھانا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ بلکہ مصائب و آلام اور آزمائش کے طوفانوں کو خود دعوت دینا تھا لہذا مختلف آزمائشوں سے گذر کر مولانا صاحبؒ نے یہاں درس قرآن کی بنیاد رکھی، اور الحمد لله اب تک اس چشمہ قرآنی سے ہزاروں علماء سیراب ہو کر ملک کے اطراف میں اصلاح امت بخاطر پھیل چکے ہیں۔

مفسر کا تعارف Commentator Introduction

عاشق قرآن، عارف باللہ، شیخ التفسیر مولانا عبدالہادی شاہ منصوری رحمہ اللہ 1883ء کو ضلع صوابی کے معروف اور تاریخی گاؤں شاہ منصور میں پیدا ہوئے تھے۔

ابتدائی تعلیم Early Education

ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار مولانا عبداللہ سے اور فارسی و عربی کے ابتدائی رسالے مقامی علماء سے پڑھے تھے، جن میں مولانا محمد زمان عرف اباصاحب چھوٹا لاہور، میاں ڈھیریؒ کی علمی و روحانی شخصیت مولانا سید حسین شاہ اور موضع درہ صوابی کے مولانا محمد انعام رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

تعلیمی اسفار Educational Journeys

آپؒ نے علم کی تحصیل کے لئے علاقہ مروت کا سفر بھی کیا تھا۔ عربی ادب، فقہ، منطق اور دیگر فنون کی اعلی تعلیم علاقہ چھچھ کے دلیہ مولوی صاحبؒ، موضع بام خیل کے سودائی مولانا صاحبؒ، منطق و حکمت کی کتابیں مولانا حبیب اللہ عرف صاحبؒ حق صاحب زروبی اور دیگر اعلی فنون کی تکمیل مولانا قطب الدین غور غوشتویؒ، مولانا عبدالحلیم ڈاگئیؒ، مولانا محمد صدیقؒ اور مولانا گل کاکا غور غوشتویسےؒ کی تھی۔

اخذ حدیث Hadith learning

دورہ حدیث اور سند حدیث کے لئے علاقہ چھچھ کے عظیم محدث مولانا نصیر الدین غور غوشتوی رحمہ اللہ کے درس میں شرکت کی اور مسلسل دو سال ان کے شہرہ آفاق درس حدیث سے استفادہ کیا۔ علم تفسیر کے لئے آپؒ نے ضلع میانوالی کے قصبہ واں بچھراں کے عظیم مفسر قرآن علامہ شیخ حسین علی رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے اور تفسیر قرآن میں مہارت کے حصول تک آپؒ اپنے شیخ کے پاس مقیم رہے۔ تفسیر سے فراغت کے بعد آپؒ نے استاد تفسیر شیخ حسین علی رحمہ اللہ سے سلسلہ نقشبندیامیں بیعت کر کے خلافت حاصل کی۔ 1927ء میں علم دین کی تکمیل اور تصوف کیتعلیم کے بعد آپ نے اپنے گاوں شاہ منصور کی مقامی وسطی مسجد میں مدرسہ " تعلیم القرآن" کے نام سے دینی علوم اور فنون کے درس وتدریس کا آغاز کیا۔

شخصیت Personality

آپؒ عالم با عمل، تقوی وللہیت کا نمونہ، اخلاص و سادگی کی تصویر اور عابد و زاہد تھے۔ عوام کو نہایت سادہ، آسان اور عام فہم انداز میں سمجھاتے۔ آپؒ کا اندازِ وعظ و نصیحت دل نشین اور مسحور کن تھا۔ تصنّع اور بناوٹ سے خالی اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنا آپؒ کا شعار تھا۔ فقیری و درویشی آپؒ کی شان، جب کہتصنّع وتکلّف کو ناپسند فرماتے، نیز خلوت وگمنامی کو محبوب رکھتے۔ امراء اور حکام سے دور رہتے۔

تصانیف Books

آپؒ نے عربی زبان میں: تفسیر البرهان فی مشكلات القرآن، نكات القرآن، تسهيل البخاری، تسبيل المشكوة، تلخيص العقائد اور بيان النظير فی عنوان التعبير وغیرہ کے نام سے تصانیف لکھے تھے۔

خلاصۂ قصہ Story Summary

حضرت خَضِرؑ (یاخِضْر) اور حضرت موسیٰؑ کا قصہ، قرآن مجید میں بیان کردہ ایک اہم حکایت ہے۔ یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور پراسرار شخصیت حضرت خضر (خضر) کے درمیان ہونے والی ملاقات کے گرد گھومتی ہے۔ حضرت

موسیٰؑ ایک نبی ہے اور وہ کسی ایسے شخص سے سیکھنے کی کوشش کرتا ہے جو اس سے زیادہ الٰہی اسرار کا علم رکھتا ہے۔ اللہ اسے حضرت خضرؑ کی طرف جانے کا حکم کرتا ہے جو کہ ایک عقلمند اور علم والا آدمی ہے۔ حضرت موسیٰؑ عاجزی بسر و چشم حکم مان کر ان کے پاس چلا جاتا ہے اور ان سے درخواست کرتا ہے کہ انہیں بھی اپنے ساتھ شاگردی میں لے لیں تاکہ وہ ان اسرار و رموز کو سیکھ سکیں۔ اپنے پورے سفر کے دوران حضرت خضرؑ ایسے اعمال انجام دیتے ہیں جو شروع میں عجیبو غریب معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ایک کشتی کو ڈبوتا ہے، ایک نوجوان لڑکے کو مارتا ہے، اور ایک قصبے میں دیوار کی مرمت کرتا ہے جس کے لوگوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ حیران ہے اور حضرت خضرؑ کے اعمال پر سوال کرتا ہے، کیونکہ ان کے افعال بظاہر ظالمانہ اور غیر معقول معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم ہر عمل میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ ایک عظیم مقصد کی تکمیل کرتا ہے، جو صرف حضرت خضرؑ کو معلوم ہوتا ہے، جو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ یہ اعمال حضرت موسیکوؑ ایمان، صبر، اور بظاہر ناگوار واقعات کے پیچھے الٰہی حکمت کے بارے میں اہم سبق سکھاتے ہیں۔ حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کی کہانی اس خیال کو اُجاگر کرتی ہے کہ حکمت باری تعالیٰ اکثر انسانی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے، اور ایسے افراد سے سیکھنے کے لیے بہت کچھ ہے جو روحانی معاملات میں گہری بصیرت رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کی حکمت پر عاجزی اور بھروسے کی اہمیت پر زور دیتا ہے، یہاں تک کہ جب چیزیں ہمارے لیے پریشان کن معلوم ہوں۔

مفسر کے اسلوب کا بیان Description of the commentator's style

صاحبِ تفسیر نے قصۂ ہذا کی تفسیر کرتے ہوئے جس اسلوب کو اپنایا ہے وہ درجہ ذیل ہے:

ہر موضوع کا خلاصہ پیش کرنا Summarization of each topic

دورانِ مطالعہ قاری اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ مفسر نے ہر رکوع (سابقًا ولاحقًا) میں موجود مضامین اچھوتے اور دلکش انداز سے مربوط کیے ہیں، نیز آخر میں مضامین کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ مثلًا، آپؒ لکھتے ہیں:

ربط الركوع : إنه كان فى السابق قصة أصحاب الكهف اجمالًا وههنا تفصيله وتسلى النبیﷺ والمؤمنين فى ضمن قصة اصحاب الكهف...الخ۔[2]

رکوع کا ربط: کہ سابقہ رکوع میں اصحاب کہف کا اجمالی قصہ بیان کیا گیا ہے جب کہ اس رکوع میں تفصیلی قصہ بیان کیا جائے گا، نیز یہاں پر آپﷺ اور مومنوں کو قصۂ اصحابِ کہف کے ضمن میں تسلی دی گئی ہے...الخ۔

وموضوعه: بيان صداقت القرآن وبقية قصة أصحاب الكهف وهذا علم القصص ومدار الفوز...الخ۔[3]

رکوع کا موضوع: اس رکوع میں قرآن مجید کی صداقت، اصحاب کہف کا بقیہ قصہ، علم القصص اور مدارِ کامیابی کا بیان ہے۔

وخلاصته:بيان ماذكر واستقلال أصحاب الكهف وبيان التبليغ لهم...الخ۔[4]

رکوع کا خلاصہ: **مذکور کی وضاحت، اصحاب کہف کے استقلال و استقامت کا بیان اور ان کی تبلیغ کا بیان...الخ۔**

دوران تفسیر مختلف مفسرین و محدثین کے اقوال اور روایات کا پیش کرنا Introducing different commentator's sayings

وَلَا تُرْهِقْنِیْ[5]... وأخرج ابن أبی حاتم عن سعید بن عبد العزیز أن الغلام کان ابن عشرین سنة [6]... والغلام یطلق علی البالغ کما جاء فی البخاری فی حدیث المعراج، قال موسی علیه السلام : أبکی (فرحًا) لأن الغلام بعث بعدی یدخل الجنة من أمته أکثر من امتی۔ انتهی۔[7]

اور نہ مجھ پر سختی کریں...اور ابن ابی حاتمؒ نے روایت بیان کی ہے جو سعید بن عبد العزیز سے ہے کہ یہ لڑکا بیس سال کا تھا... غلام کا اطلاق بالغ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں معراج کی حدیث میں ہے کہ موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں خوشی سے روتا ہوں کہ ایسا جوان جو مجھ سے بعد میں مبعوث کیا گیا ہے اس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی۔

صرف و نحوی تحقیق پیش کرنا Grammatical commentary

لَا أَبْرَحُ لازال أسیر،[8] ضمیر المتکلم اسم وخبره محذوف أی أسیر وحتی غایة السیر مغیًا بأحد الأمرین وإما الجمع أو بمعنی عقبا ...الخ۔[9]

"لا أبرح" میں چلتا ہی رہوں گا، اس میں ضمیر متکلم کی اس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ مراد ہے کہ میں چلتا ہی رہوں گا، اور اس چلنے کی انتہاء دو میں سے ایک شے پر ختم ہو گی۔ یا تو پھر جمع ہونے پر اور یا پھر چلتے رہنے پر...الخ۔

عربی زبان کے اعتبار سے ہر لفظ کی جامع تشریح پیش کرنا Arabic Linguistic commentary

والغلام یطلق علی البالغ کما جاء فی البخاری فی حدیث المعراج،[10] قال موسی علیه السلام : أبکی (فرحًا) لأن الغلام بعث بعدی یدخل الجنة من أمته أکثر من امتی۔ انتهی۔[11]

غلام کا اطلاق بالغ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں معراج کی حدیث میں ہے کہ موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں خوشی سے روتا ہوں کہ ایسا جوان جو مجھ سے بعد میں مبعوث کیا گیا ہے اس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی۔

اماکن کی تشریح کرنا Places interpretation

اِذَآ اَتَیَآ اَھْلَ قَرْیَةِ إنطا کیا[12]...الخ جب وہ دونوںؑ ایک انطاکیا نامی بستی والوں کے پاس پہنچے...الخ۔

اعلام کی تشریح کرنا Names interpretation

قَالَ ذٰلِکَ المکان مَا کُنَّا نَبْغِ فیه الخضر[13]...الخ۔

فرمایا یہی تو وہ جگہ تھی جس میں ہم خضرؑ کو تلاش کر رہے تھے...الخ۔

مذکورہ واقعہ میں سے بعض منتخبات کا دیگر تفاسیر کے ساتھ تقابلی جائزہ Comparative Review

بحث میں منتخبات کی ترتیب آیات قرآنی کی ترتیب کے تحت دی گئی ہے۔ نیز تقابل کے لیے دو/۲ مشہور تفاسیر کا انتخاب کیا گیا ہے: ۱-(عربی تفسیر) تفسیر احکام القرآن للامام القرطبیؒ[14]، ۲-(اُردو) تفسیر عثمانی لمولانا شبیر احمد العثمانیؒ[15]۔ لہذا ہر منتخبہ کا مذکورہ بالا مفسرین کے بیان کردہ جملہ تفاسیر کے ضمن میں دیکھا جائے گا۔

مجمع البحرین Sea Junction

1. مولانا عبدالہادی نے اپنی تفسیر البرھان فی مشکلات القرآن میں دو دریاؤں کو میٹھے اور نمکین پانی سے تشبیہ دی ہے: چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں: حَتّٰی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ العذب والمالح۔[16]

حتیٰ کہ میں پہنچ جاؤں "میٹھے اور نمکین پانی کے ملنے کی جگہ پر۔

2. امام قرطبیؒ نے مجمع البحرین کو اس طرح بیان کیا ہے: (حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ)أي:ملتقاهما...له بحر ماء۔[17] (أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ)دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ، قتادہ نے کہا: یہ فارس اور روم کے دریا ہیں اور یہ مجاہد کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس سے مراد پانی کا وہ بازو ہے جو بحر محیط سے شمالی طرف سے جنوب کی طرف فارس کی زمین میں آذر بائیجان کے پیچھے سے نکلتا ہے۔ اس قول کی بناء پر وہ جگہ مجمع البحرین ہو گی جہاں دو دریا ملتے ہیں جو شام کی خشکی سے ملتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ قلزم اور اردن کے دریا ہیں۔ بعض نے فرمایا: یہ طنجہ کے قریب مجمع البحرین ہے، یہ محمد بن کعب نے کہا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے یہ افریقہ میں ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ارمینیہ میں الکر اور الرس دو نہریں ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا: یہ بحر اندلس اور بحر محیط سے ہے، یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ یہ زیادہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: دو دریاؤں سے مراد حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہم السلام ہیں۔ یہ ضعیف قول ہے، یہ حضرت ابن عباس سے حکایت کیا گیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ احادیث سے بالکل واضح ثابت ہوتا ہے کہ وہ پانی کے دریا تھے۔

3. حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر میں دو دریاؤں کو کچھ یوں بیان کیا ہے:

دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں۔ شاید ملاپ سے مراد قرب ہو گا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے۔ بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مجمع البحرین وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔[18]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات Moosa (AS) & Khazir's (AS) Meeting

1. مولانا عبد الہادیؒ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی تفسیر کچھ اس طرح پیش کی ہے: فوَجَدَا هناك ... لاقامت الشرائع۔[19]

پس ان دونوں نے پایا" اس جگہ "ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی" یعنی کہ نبوت سے سرفراز کیا تھا۔ اور ہم نے اسے بغیر کسی معلم کے واسطے کے سکھایا ایسا علم جو ہدایت والا ہو۔ "ان سے موسیٰؑ نے فرمایا کہ کیا میں آپ کی پیروی کروں اس شرط پر کہ آپ مجھے اپنے علم میں سے کچھ سکھادیں۔ خضرؑ نے فرمایا کہ آپؑ میرے ساتھ چلنے کی طاقت ظاہر میں نہیں رکھتے۔ اور صبر نہ کر سکیں گے۔ اس لئے کہ یہ علم ایک اور ہی صورت کے ساتھ حاصل ہوا ہے۔ اور آپ کیسے اس چیز پر صبر کر سکتے ہیں کہ جس کی خبر کا آپ احاطہ ہی نہ کر سکیں۔ یعنی کہ جس علم کا احاطہ ہی نہ کر سکیں گے اس پر صبر کیسے کریں گے۔ اس پر موسیٰؑ نے فرمایا کہ عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے یعنی کہ اس میں شاگردوں کے ادب کا بیان ہے۔ اور میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ علم کے سیکھنے پر شرط لگائی جاسکتی ہے۔ اور معلم کی شرط واجب ہوتی ہے۔ خضرؑ نے فرمایا کہ اگر تم میری پیروی علم میں کرتے ہو تو مجھ سے سوال مت کرنا، اس لئے کہ یہ علم سوال کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ فیض اور صبر کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اور آپ صبر نہ کر سکیں گے۔ اور مجھ سے اس وقت تک سوال مت کرنا حتیٰ کہ میں خود تمہارے سامنے اس کی وضاحت نہ کردوں۔ حضرت موسیٰؑ نے اس شرط پر ان کی پیروی کی حامی بھر لی اور یوشع کو اپنی قوم کے پاس واپس بھیج دیا تاکہ وہ ان میں شریعت کو قائم کرتا رہے۔

2. امام قرطبیؒ نے اس ملاقات کو یوں بیان کیا ہے: قوله تعالى:قَالَ لَهُ مُوسَى...فتعين الفراق والإعراض۔[20]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا)[21] اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (قَالَ لَهُ مُوسى هَلْ اَتَّبِعُكَ) یہ ایک ملاطف کا سوال ہے اور مخاطب حسن ادب میں مبالغہ کرتے ہوئے اپنے مقام سے اتر کر سوال کر رہا ہے، مطلب یہ ہے کیا تمہارے لیے ایسا اتفاق ہو گا اور آپ پر آسانی ہو گی؟ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: "کیا تو مجھے دکھا سکتا ہے کہ نبی پاک کیسے وضو کرتے تھے؟ بعض تاویلات پر یہ آئے گا اسی طرح یہ ارشاد ہے: (هَلْ يَستَطِيْعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائدةٌ مِنَ السَّمَاءِ)[22] اس کا بیان سورہ مائدہ میں گزر چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ آیت دلیل ہے اس پر کہ شاگرد استاد کے تابع ہوتا ہے اگرچہ مراتب مختلف ہوں، اس سے یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھنے میں دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے کبھی فاضل کو اس بات کا علم نہیں ہوتا جس کا

مفضول کو علم ہوتا ہے، فضیلت اسے حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ فضیلت دیتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اگر ولی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہوں گے، کیونکہ وہ نبی تھے اور نبی، ولی سے افضل ہوتا ہے۔ اور اگر وہ نبی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ فضیلت دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔ (ورشدا) یہ تعلمنی کا دوسرا مفعول ہے ۔حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: (إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ معَى صبرا)[23] یعنی اے موسیٰ! آپ میرے علم کو دیکھ کر صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے کیونکہ ظواہر جو آپ کا علم ہے وہ اس علم کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ آپ جس کو خطا دیکھیں گے اس پر کیسے صبر کریں گے؟ اور اس میں حکمت کی وجہ تم پر منکشف نہو گی تو آپ کیسے ضبط کر سکیں گے؟ وکیف تصبر علی مالم تحطبه خبرًا[24] کا یہی معنی ہے۔ انبیاء کرام کسی منکر پر خاموش نہیں رہتے اور نہ ان کے لیے خاموش ہونا جائز ہوتا ہے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: آپ اپنی عادت اور حکم کی بنا پر خاموش نہیں رہ سکیں گے۔ خبرا کی نصب تمیز کی بنا پر ہے جو فاعل سے منقول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مصدر کی بنا پر ہے جو معنی میں متصل ہے۔ کیونکہ لم تحط کا معنی ہے لم تخبره گویا فرمایا: لم تخبره خبرا، اس کی طرف مجاہد نے اشارہ کیا ہے۔ خبیر بالأمور وہ ہوتا ہے جو امور کے بواطن کو جانتا ہو اور امور میں سے جن سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قال ستجد نی اِن شاء الله صابرا[25] یعنی میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبر کروں گا۔ ولا اعصی لک امرا میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ استثنا میں اختلاف ہے کیا یہ ولا أعصى لك أمرا[26] کے قول کو شامل ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا: اس کو شامل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالذاكرينَ اللهَ كَثِيراوَالذاكرتِ[27] بعض علماء نے فرمایا: صبر میں استثنا کی تو صبر کیا اور ولا أعصى لك أمرا میں استثنا نہیں کی، اس لیے اعتراض کیا اور سوال کیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس میں استثناء نہیں تھی کیونکہ صبر مستقبل کا امر ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کیا حالت ہو گی اور معصیت کی نفی کا عزم کیا گیا تھا وہ فی الحال حاصل تھی، پس اس میں استثنا عزم کے منافی ہے۔ ان کے درمیان اس طرح فرق کرنا ممکن ہے کہ صبر ہمارے لیے مکتسب نہیں ہے بخلاف معصیت کے کرنے اور اس کے ترک کرنے کے، کیونکہ یہ تمام ہمارے لیے مکتسب ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَانِ اتَّبَعْتَنى فَلَا تَسئلني عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أحدث لَك مِنْهُ ذكرا[28] یعنی حتیٰ کہ میں خود تمہارے لیے اس کی تفسیر بیان کروں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے سنگت کے آداب سکھائے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو عجیب چیزوں کو دیکھ لیتے لیکن انہوں نے اعتراض کیا پس فراق اور اعراض متعین ہو گیا۔

3. تفسیر عثمانی میں اس ملاقات کا پس منظر کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ جن کو حق تعالی نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیہ کے علم سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضر تخضر علیہ السلام کو رسول مانا جائے یا نبیبا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے۔ ایسے مباحث کا فیصلہیاں نہیں ہو سکتا۔ تاہم احقر کا رحجان اس طرف ہے کہ ان کو نبی تسلیم کیا جائے اور جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے جو انبیاء جدید شریعت لے کر نہیں آتے ان کو بھی اتنا تصرف واختیار عطا ہوتا ہے کہ مصالح خصوصیہ کی بناء پر شریعت مستقلہ کے کسی عام کی تخصیصیا مطلق کی تقییدیا عام ضابطہ سے بعض جزئیات کا استثناء کر سکیں۔ اسی طرح کے جزئی تصرفات حضرت خضر کو بھی حاصل تھے، واللہ اعلم۔ بہر حال موسی علیہ السلام خضر سے ملے۔ علیک سلیک کے بعد خضر نے سبب پوچھا۔ موسی نے آنے کا سبب بتلایا۔ خضر نے کہا اے موسی بلاشبہ اللہ نے تمہاری تربیت فرمائی۔ پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کونیہ کا) مجھ کو ملا ہے جو (اتنی مقدار میں) تم کو نہیں ملا۔ اور ایک علم (اسرار تشریع) تم کو دیا گیا ہے جو (اتنی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا ہے۔ یہ بھی محض تفہیم کے لیے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں[12]۔[29]

فاسق غلام (لڑکا) Bad boy

1. تفسیرالبرھان فی مشکلات القرآن میں اس واقعے کے بارے میں جو اشکال ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے: وَلَا تُرْهِقْنِيْ... وھو البالغ – انتہی۔[30] اور نہ مجھ پر سختی کریں یعنی کہ مجھے تکلیف میں مبتلا نہ کریں۔ پس وہ دونوں پھر چلے اور حتیٰ کہ ایک لڑکے تک پہنچے۔ یہ فاسق غلام تھا۔ بالغ تھا جیسا کہ تنوین سے معلوم ہوتا ہے۔ پس خضرؑ نے اسے قتل کر دیا۔ جان لیں کہ بچے کے بالغ ہونے کی عمر میں اہل ظواہر اور اہل تحقیق کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ظواہر کہتے ہیں کہ جو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہو وہ بچہ ہے۔ اور اصحاب تحقیق کا کہنا ہے کہ یہ غلام بالغ تھا۔ اور راہزن تھا۔ اگر ایسا نہ کہا جائے تو خضرؑ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک بچے کو قتل کر دیا جو کہ شریعت میں ممنوع ہے، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ غزوات کے احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ میں بھی کسی عورت یا بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کیا جائے۔ انتہی۔ اور ابن ابی حاتمؒ نے روایت بیان کی ہے جو سعید بن عبد العزیز سے ہے کہ یہ لڑکا بیس سال کا تھا۔ اور اہل عرب نوجوان پر بھی غلام کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابن جریرؒ، مبسوط اور روح المعانی میں مذکور ہے۔ اور اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "اگر یہ بالغ ڈاکو ہوتا جیسا کہ بعض کا قول ہے تو یہ قول زیادہ قریب الفہم تھا۔ انتہی" اور شبیر احمدؒ کا کہنا ہے کہ "بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا۔ اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ انتہی" اور

غلام کا اطلاق بالغ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاریؒ میں معراج کی حدیث میں ہے کہ موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں خوشی سے روتا ہوں کہ ایسا جوان جو مجھے سے بعد میں مبعوث کیا گیا ہے اس کیا مت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی۔ انتہی۔ حضرت موسیٰؑ نے نبی ﷺ کو غلام کہا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اہل عرب جوان پر بھی غلام کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ قاعدہ و قانون سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مطلق سے کامل مراد ہوتا ہے اور وہ بالغ ہونا ہے۔ انتہی۔

2. امام قرطبیؒ نے اس واقعے کی باریکیوں پر کچھ اس طرح روشنی ڈالی ہے: قوله تعالى: «غلاما» اختلف العلماء في الغلام ...وهو شدة الشبق۔[31] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: علماء کا غلام کے بارے میں اختلاف ہے، کیا وہ بالغ تھا یا نہیں؟ کلبی نے کہا: وہ بالغ تھا وہ دو شہروں کے درمیان ڈاکہ ڈالتا تھا اس کا باپ ان دو شہروں میں ایک شہر کے عظماء میں سے تھا اور اس کی ماں دوسرے شہر کے عظماء میں سے تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے پکڑا اور اسے گرا دیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ کلبی نے کہا: غلام کا نام شمعون تھا۔ ضحاک نے کہا: جیسون تھا۔ وہب نے کہا: اس کے باپ کا نام سلاس اور اس کی ماں کا نام رحمی تھا۔ سہیلی نے اس کے باپ کا نام زیر اور اس کی ماں کا نام سہوی حکایت کیا ہے۔ جمہور علماء نے کہا: وہ بالغ نہ تھا، اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: زاکیہ جس نے گناہ نہ کیا تھا، غلام کا لفظ بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ مردوں میں غلام اسے کہا جاتا ہے جو بالغ نہ ہو، اس کے مقابل عورتوں میں جاریۃ (لڑکی) ہوتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے قتل کیا کیونکہ آپ نے اپنے علم باطنی سے جان لیا تھا کہ وہ کافر ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے، اگر وہ بالغ ہو جاتا تو وہ اپنے والدین کو کفر پر مجبور کرتا، چھوٹے بچے کو قتل کرنا محال نہیں جب اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہو، اللہ تعالیٰ فعال لما یرید ہے۔ ہر چاہت پر قادر ہے اور کتاب (العرائس) میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: اقتلتَ نَفْسازكية الآية،[32] تو حضرت خضر علیہ السلام غضبناک ہو گئے اور اس کے کندھے کو الگ کیا اس کا گوشت اس سے اتار دیا اس کے کندھے کی ہڈی پر لکھا ہوا تھا: کافر لا یومن من باللہ ابدا'' کا فر ہے کبھی اللہ پر ایمان نہیں لائے گا پہلے قول والے علماء نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ عرب نوجوان پر غلام کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔ لیلی الاخلیلیہ کا قول ہے: شفاها من الدّاءِ العُضَالِ الذی بها، غلام إذا هَز القناة سقاها، صفوان نے حضرت حسان کو کہا تھا: تَلَقَّ ذُبَابَ السَّيفِ عَنِی فَإِنَّنِي، غلام إذا هُو جِيتُ لَسْتُ بشاع، خبر میں ہے: یہ غلام (لڑکا) زمین میں فساد پھیلاتا تھا اور اپنے والدین کے سامنے قسم اٹھاتا تھا کہ اس نے ایسا نہیں کیا ہے اور اس کے والدین اس کی قسم پر قسم اٹھاتے تھے اور اس کی اس شخص سے حفاظت کرتے تھے جو اسے پکڑنا چاہتا تھا۔ علماء نے کہا: بغیر نفس کا قول اس بات کا مقتضی ہے کہ اگر وہ کسی نفس کے بدلے میں قتل ہوتا تو کوئی حرج نہ ہوتی۔ یہ

غلام کے بڑا ہونے پر دلیل ہے۔ اگر وہ بالغ نہ ہوتا تو اسے کسی نفس کے بدلے قتل کرنا بھی واجب نہ ہوتا، اس کا قتل کرنا جائز تھا کیونکہ وہ بالغ اور گنہگار تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ نوجوان تھا ڈاکہ ڈالتا تھا۔ ابن جبیر کا خیال ہے کہ وہ مکلف ہونے کی عمر کو پہنچ چکا تھا کیونکہ حضرت ابی اور حضرت ابن عباس کی قرآت اسی کا تقاضا کرتی ہے: وأماالغلام فکان کافراوکان أبواہ مؤمنین۔ کفر اور ایمان مکلفین کی صفات سے ہیں غیر مکلف پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جاتا مگر والدین کی تبع میں اور اس غلام کے والدین مومن تھے، جس کی دلیل نص قرآنی ہے اور اس پر کافر کے اسم کا اطلاق بلوغت کی وجہ سے ہی تھا، پس اس کا کافر ہونا متعین ہو جاتا ہے۔ الغلام، الاغلام سے ہے جس کا معنی بہت زیادہ شہوت والا ہونا۔

3. تفسیر عثمانی میں مذکورہ واقعہ کچھ یوں بیان ہوا ہے:

ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے، ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ اور چل کھڑے ہوئے بعض روایات میں اس کا نام جیسور آیا ہے۔ وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن جمہور مفسرین اس کو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں۔[33]

خلاصۂ بحث Summary

مذکورہ واقعہ حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کی تفاسیر میں سیرت اور تاریخ کی کتابوں سے مختلف اقوال اور روایات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے کسی نے انتہائی کمی اور کسی نے انتہائی بسط سے لکھا ہے۔ مولانا عبدالہادی شاہ منصوریؒ نے سب کا نچوڑ بیان کیا ہے اور واقعہ کو اسطرح بیان کیا ہے کہ تمام وارداشکال دور کیے ہیں جس سے سامعین اور فاضل مطالعہ والے کی تشفی ہو جاتی ہے جو کہ ان کی تفسیر کا انمول انداز اور خصوصیت ہے اور ساتھ ہی اپنے اسلاف کی منہج پر مسائل ذیل وارد ابھی بیان کیے ہیں جو کہ اپنے اندر کافی بہتر انداز ہے۔

نتائج Consequences

گزشتہ تمام تر تفصیل کی روشنی درجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

1. پہلے تو واقعہ کا خلاصہ نہایت عام انداز میں بیان کیا جس سے کافی آسانی ہو گئی جو کہ آپؒ کی تبحر علمی کی عکاس ہے۔
2. حضرت خضر علیہ السلام کے علوم کو تکوینی جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علوم کو تشریعی قرار دیا اور پھر ان دونوں علوم کا فرق بیان کیا۔
3. آپ نے روایت کو تطبیقی انداز سے پیش کیا جس کی وجہ سے اہل علم کے یہاں مقبولیت حاصل ہوئی۔
4. آپ کی تفسیر تحقیقی مواد کے اعتبار سے گوہر نایاب ہے۔

5. نیز آپؒ کا تفسیری انداز تمام اہل علم کے لیے بالعموم جبکہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے طلباء و علماء کے لیے بالخصوص اپنی تحقیقات کو کتابت کے سانچے میں ڈھالنے کا ایکمؤثر و مؤقر ذریعہ ہے۔
6. کسی مفسر نے دوران تحقیق لغت، اصطلاح، صرف و نحو، ادب، فقہ، حکمت اور تفسیری نکات کا بیان کس طرز پر کرنا ہے، تو آپؒ کی تفسیر میں اس کے لئے رہنما اُصول ملتے ہیں۔ تفسیر میں معتدل طرز تحریر و تحقیق نئے مفسرین کے لیے تقریر، تحریر اور تحقیق کے نہیں جہات کھولتا ہے۔

تجاویز و سفارشات برائے طباعت تفسیر"البرہان فی مشکلات القرآن " Recommendations& Suggestions

ان تمام تر تفصیلات کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ تفسیر "البرہان فی مشکلات القرآن" نہ صرف ایک بہترین تحقیق ہے بلکہ ہر طالب علم کے لئے بالعموم اور طالب علم تفسیر کے لیے بالخصوص تحقیق و تربیت کی ایک عملی درسگاہ ہے۔ صاحبِ تفسیرؒ کا یہ علمی خزانہ چونکہ اب تک مطبوعہ شکل میں منظر عام پر نہیں آسکا، لہذا چاہیے کہ ان تمام تر مواد کو یکجا کر کے مکمل تفسیر پر علمی اور تحقیقی کام سرانجام دیا جائے۔ مذکورہ بالا قصہ کے علاوہ تفسیر میں بقیہ تمام تر موجود قصص تقابلی جائزہ لیا جائے۔ بعد از تکمیل اس بیش بہا علمی اور تحقیقی ورثے کو مطبوع کر کے اس کے فیض کو عام کیا جائے۔ واللہ اعلم

مصادر و مراجع

1-النحل: 44

2- المنصوری، شیخ التفسیر، عبد الهادی (1883ء)، البرهان فی مشکلات القرآن، سورة الکهف، رکوع:1، دارالعلوم تعلیم القرآن شاه منصور

3-المصدر السابق

4-المصدر السابق

5- الکهف :73

6-الرزای ،فخر الدین، محمد (606ه)،مفاتیح الغیب،البطبعة الاولی- 1401ه، دارالفکر، 2378/7

7- البخاری، محمد بن إسماعیل (256ه)،الجامع الصحیح، رقم الحدیث:3207

8- تبصیر الرحمن وتفسیر المنّان، مخدوم علی مهایمی، 451/1

9-المنصوری، البرهان فی مشکلات القرآن، الکهف:60

10- البخاری، محمد بن إسماعیل (256ه)،الجامع الصحیح، رقم الحدیث:3207

11-المنصوری، البرهان فی مشکلات القرآن، الکهف:71

12-یہ ایک خوبصورت شہر ہے۔ اس کی خوبصورتی کی مثالیں اہل عرب دیا کرتے تھے۔ اس یہاں یاء مشدد ہے جو نسبت کی ہے۔ سب سے پہلے جس نے اس شہر کو آباد کیا وہ سکندر کے بعد انطیخس بادشاہ تھا۔ اسی طرح انطیغونیا بھی اس بادشاہ کا نام بتایا جاتا ہے۔ یہ شام کے زیر سلطنت ایک

شہر تھا جو سرسبز و شاداب ہے اور اس کی آب و ہوا بڑی پاکیزہ ہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں اس شہر کو فتح کیا گیا۔ (ا)الحموی، معجم البلدان، 266/1،(ب)أبو السعود، تفسیرأبی السعود، 237/5)

13-خضر بن آدم نام ہے۔ان کے نام کی نسبت میں بے حد اختلاف پایا جاتا ہے۔ان کو آدمؑ کی طرف منسوب کیا گیا اس لئے کہ اس کے والد کے نام میں بے حد اختلاف پایا جاتا ہے۔ان کی شان کے بارے میں اہل علم کی دو قسمیں ہیں۔ابن صلاحؒ اور امام نوویؒ وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔اس حوالے سے انہوں نے سلف صالحین کے آثار بیان کئے ہیں۔ جان کے دلائل ضعیف ہیں۔ غالب محققین کا کہنا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ یہ موسیٰؑ کے ساتھی تھے۔اسی امر کے دلائل پائے جاتے ہیں۔ جو مضبوط ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جو خضر تھے وہ فوت ہو چکے ہیں۔اگر وہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو لازماً آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے۔اور آپ ﷺ پر ایمان لاتے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر فرض کیا تھا کہ اگر وہ محمد ﷺ کے زمانے کو پائے تو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کرے۔اور صحابہ میں سے کسی نے نہیں فرمایا کہ انہوں نے خضر کو دیکھا ہے۔(الحوینی، نثل النبال بمعجم الرجال، جمعه و رتبه، ابو عمرو احمد بن عطية الوكيل، الناشر: دار ابن عباس، مصر، الطبعة الاولى: 1433ھ، 552/1)

14-آپ کا پورا نام محمد بن احمد بن ابی بکر الاندلسی القرطبیؒ المالکی ہے۔اور کنیت ابو عبداللہ ہے[2]۔امام قرطبیؒ کے سن ولادت کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔البتہ وفات کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ نے ماہ شوال 671ھ میں وفات پائی[3]۔آپ نے مشہور محدث ابوالحسن علی بن محمد سے درس حدیث حاصل کیا[4]۔ محمد بن محمد بن ابی بکر قرطبہ کے عظیم مفسر تھے۔قرآن کریم سے دلی لگاؤ بلکہ عشق تھا۔دیگر علوم میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔مفسر نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے[5]۔(ا) السیوطی، جلال الدین، طبقات المفسرین،ص28،(ب): المقری- احمد بن محمد، نفح الطيب من غصن الاندلس الرطيب، مكتبه عيسى البانى، مصر،1355ھ/1936،ج7،ص221،(ت):قاضی، محمد بن زاهد الحسینی، تذکرة المفسرین،ص124۔

15-ان کا نام شبیر احمد بن فضل الرحمان ہے۔ان کی ولادت ہندوستان کے شہر بجنور میں 1305ھ مین ہوئی۔آپ کا نام ان کے والد نے فضل اللہ رکھا تھا۔بعد میں گھر والوں نے شبیر احمد پکارنا شروع کیا تو اسی نام سے معروف ہوئے۔ان کا شجرہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز 1312ھ میں ہوا۔ جناب حافظ محمد عظیم صاحب سے تحصیل علم کی ابتداء کی۔فارسی کی تعلیم منشی منظور احمد صاحب سے لی۔ عربی تعلیم 1319ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔جہاں آپ نے حضرت شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی سے فیض حاصل کیا۔1325ھ میں دورہ حدیث میں اول درجہ حاصل کر کے فراغت حاصل کی۔دوران تعلیم ہی طلباء کو درس دیتے اور ان کو پڑھاتے۔البتہ باضابطہ ابتداء تدریس 1325ھ میں ہوئی۔1326ھ میں فتح پور دہلی میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔1328ھ میں دوبارہ دیوبند میں تشریف لائے اور 1348 میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے گئے۔ جہاں تفسیر و حدیث پر درس دیتے رہے۔1352ھ میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے بعد شیخ الحدیث منتخب ہوئے۔1362ھ میں دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کر لی۔اور ڈابھیل والوں کی درخواست پر دوبارہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔آپ بڑے پائے کی سیاسی راہنما بھی تھے۔1329ھ میں تقاریر کیں اور ملکی و مذہبی خدمات سرانجام دیں۔1339ھ میں مقالہ ترک موالات تحریر کیا جو آپ کا علمی شاہکار تھا۔1338ھ سے 1366 تک جمعیت علماء ہند میں شریک رہے۔البتہ 1366ھ میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔اور تحریک پاکستان کو زبردست تقویت عطا کی۔آپ نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے مسلم لیگ میں جان

پیدا کردی۔اس طرح قیام پاکستان میں مولانا کا بڑا ہاتھ تھا۔آپ کے کہنے پر اہل سرحد نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔1366ھ کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔آپ 1369 میں دیوبند سے پاکستان تشریف لائے اور قائد اعظم نے رسم پرچم کشائی آپ کے دست فیض سے کرائی۔اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاح بھی آپ ہی نے کیا۔اور قرارداد مقاصد کو پاس کرایا۔آپ کا انتقال 1369ھ کو ہوا۔آپ وزیر اعظم بہاولپور کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے افتتاح کے لئے تشریف لائے۔اور 21 صفر 1369ھ کو طبیعت کی ناسازی کی بناء پر داعی اجل کو لبیک کہا۔(عثمانی، تفسیر عثمانی، ناشر: دارالاشاعت کراچی، محرم 1428ھ، ص10،9)

[16]-المنصوری،البرهان فی مشكلات القرآن، الكهف:60

[17]-القرطبی،شمس الدين،محمد بن أحمد (1273ء)،الجامع لأحكام القرآن،دارالكتب المصرية،316/13

[18]-عثمانی، تفسیر عثمانی،457/2

[19]-المنصوری،البرهان فی مشكلات القرآن، الكهف:65

[20]-القرطبی،الجامع لأحكام القرآن، 325/13

[21]-الكهف:66

[22]-المائدة:112

[23]-الكهف:67

[24]-الكهف:68

[25]-الكهف:69

[26]-أيضًا

[27]-الأحزاب:35

[28]-الكهف:70

[29]-عثمانی، تفسیر عثمانی،459/2

[30]-المنصوری،البرهان فی مشكلات القرآن، الكهف:73

[31]-القرطبی،الجامع لأحكام القرآن، 330/13

[32]-الكهف:74

[33]-عثمانی، تفسیر عثمانی،457/2